

لِیَسْعَلَ الْصُّدِّقِینَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَأَعَدَ اللَّكُفَّارِينَ عَذَابًا  
أَلِيمًا ﴿۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ  
جُنُودٌ فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجْنُودًا لَمْ تَرُوهَا وَكَانَ اللَّهُ بِهَا

تاکہ چے لوگوں سے (ان کا رب) ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے، [۱۷] اور کافروں کے لیے تو اس نے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ [۱۸]

اے لوگو! [۱۹] جو ایمان لائے ہو، یاد کرو اللہ کے احسان کو جو (ابھی ابھی) اس نے تم پر کیا ہے۔ جب شکر تم پر چڑھائے تو ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔ [۲۰] اللہ وہ سب کچھ

اس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ عہد ہے کہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی خود اطاعت کرے گا اور رسول سے کرائے گا۔ اللہ کی باتوں کو بے کم و کاست پہنچانے کا اور انہیں عملانافذ کرنے کی سعی و جهد میں کوئی دریغ نہ کرے گا۔ قرآن مجید میں اس عہد کا ذکر متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔ مثلاً: البقرہ، ۸۳۔ آل عمران، ۱۸۔ المائدہ، ۲۷۔ الاعراف، آیات ۱۴۹-۱۴۸۔ الشوری، آیت ۱۳۔

اس عہد کو اس سیاق و سبق میں اللہ تعالیٰ جس وجہ سے یاد دلار ہا ہے وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ شہادت اعداء کے اندر یہ سے منہ بو لے رشتؤں کے معاملے میں جاہلیت کی رسم کو توڑتے ہوئے بھج کر ہے تھے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ حضور سے فرمایا ہے کہ تم ہمارے مقرر کیے ہوئے پیغمبر ہو، تمام پیغمبروں کی طرح تم سے بھی ہمارا یہ پختہ معاملہ ہے کہ جو کچھ بھی حکم ہم دیں گے اس کو خود بجا لائے گے اور وہ سروں کو اس کی پیروی کا حکم دو گے، لہذا تم کسی کے طعن و تشنیع کی پروانہ کرو، اور جو خدمت ہم تم سے لینا چاہتے ہیں اسے بلا تأمل انجام دو۔

[۱۶] یعنی اللہ تعالیٰ حاضر عہد لے کر نہیں رہ گیا ہے بلکہ اس عہد کے بارے میں وہ سوال کرنے والا ہے کہ اس کی کہاں تک پابندی کی گئی۔ پھر جن لوگوں نے سچائی کے ساتھ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو ففا کیا ہو گا وہی صادق العہد قرار پائیں گے۔

[۱۷] اس رکوع کے مضمون کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو اسی سورہ کی آیات ۳۲-۳۱ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔

[۱۸] یہاں سے رکوع ۳ کے آخر تک غزوہ احزاب اور غزوہ بنی قریظہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کو پڑھتے وقت ان دونوں غزوات کی تفصیلات نگاہ میں رہنی چاہیں۔

[۱۹] یہ آندھی اسی وقت نہیں آگئی تھی جب کہ شہنشوں کے شکر میں پر چڑھ کر آئے تھے بلکہ اس وقت آئی تھی جب محاصرے کو تقریباً ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ نظر نہ آنے والی ”فوجوں“ سے مراد وہ مخفی طاقتیں ہیں جو انسانی معاملات میں اللہ تعالیٰ کے اشارے پر کام کرتی رہتی ہیں اور انسانوں کو ان کی خبر تک نہیں ہوتی۔ یہ طاقتیں چونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی ماحصلتی میں کام کرتی ہیں اس لیے ”فوجوں“ سے مراد فرشتے بھی لیے جاسکتے ہیں، اگرچہ یہاں فرشتوں کی فوجیں بھیجنے کی صراحت نہیں ہے۔

تَعْمَلُونَ بِصَدَّرًا إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فُوقَكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ  
وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجَرَ وَتَظَنُّونَ بِاللَّهِ  
الظُّنُونَا هَنَالِكَ ابْتَلَى الْمُؤْمِنُونَ وَزَلَّ زُلُّوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝  
وَإِذْ يَقُولُ الْمُنْقَفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدْنَا  
اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غَرُورًا ۝ وَإِذْ قَاتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَآهُلَّ  
يَثْرِبَ لَا مَقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوهُ وَوَيَسْتَاذُونَ فَرِيقٌ مِنْهُمُ الْقَوْيَّ

[۲۰] دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔ جب دشمن اور پرسے اور نیچے سے تم پر چڑھائے، جب خوف کے مارے آنکھیں پھرا گئیں، کیجھ منہ کو آگئے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے، اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح بلا مارے گئے۔

[۲۱] یاد کرو وہ وقت جب منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدے ہم سے کیے تھے [۲۲] وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے۔ جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ”اے یہ رب کے لوگو، تمہارے لیے اب تھیرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پلٹ چلو۔“ [۲۳] جب ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبی ﷺ سے رخصت طلب کر رہا تھا کہ

[۲۰] اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ ہر طرف سے چڑھائے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نجد اور تھیر سے چڑھ کر آنے والے اور پرسے آئے، اور مکہ معظمہ کی طرف سے آنے والے نیچے سے آئے۔

[۲۱] ایمان لانے والوں سے مراد یہاں وہ سب لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو حضور کے پیروں میں شامل کیا تھا، جن میں چے اہل ایمان بھی شامل تھے اور منافقین بھی۔ اس پیراً گراف میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے گروہ کا مجموعی طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد کے تین پیراً گرافوں میں منافقین کی روشن پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ پھر آخر کے دو پیراً گراف رسول اللہ ﷺ اور مومنین صادقین کے بارے میں ہیں۔

[۲۲] یعنی اس امر کے وعدے کہ اہل ایمان کو اللہ کی تائید و نصرت حاصل ہوگی اور آخر کار غلبہ انہی کو بخشا جائے گا۔

[۲۳] اس فقرے کے دو مطلب ہیں۔ ظاہری مطلب یہ ہے کہ خدق کے سامنے کفار کے مقابلے پر تھیرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، شہر کی طرف پلٹ چلو۔ اور باطنی مطلب یہ ہے کہ اسلام پر تھیرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، اب اپنے آبائی نہب کی طرف پلٹ جانا چاہیے تاکہ سارے عرب کی دشمنی مول لے کر ہم نے جس خطہ میں اپنے آپ کو ڈال دیا ہے اس سے نفع نہیں۔

يَقُولُونَ إِنَّ بِيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا مَعَ فِرَارًا ۚ وَلَوْ دُخِلْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُلِّمُوا الْفِتْنَةَ لَا تَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يُسْيِرُّا ۚ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلٍ لَا يُؤْلُونَ الْأَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسُوْلًا ۖ قُلْ لَئِنْ يَنْفَعُكُمُ الْفَرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا لَا تَمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۚ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ

[۲۳] "ہمارے گھر خطرے میں ہیں" [۲۴] حالاں کہ وہ خطرے میں نہ تھے، دراصل وہ (محاذ جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے۔ اگر شہر کے اطراف سے دشمن گھس آئے ہوتے اور اس وقت انھیں فتنے کی طرف دعوت دی جاتی [۲۵] تو یہ اس میں جا پڑتے اور مشکل ہی سے انھیں شریک فتنہ ہونے میں کوئی تامل ہوتا۔ ان لوگوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ یہ پیٹھ نہ پھیریں گے، اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کی باز پرس تو ہونی جی تھی۔ [۲۶] اے نبی، ان سے کہو، اگر تم موت یا قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہ ہوگا۔ اس کے بعد زندگی کے مزے لوٹنے کا تھوڑا ہی موقع تمہیں مل سکے گا۔ [۲۷] ان سے کہو، کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہو

[۲۸] [۲۸] یعنی جب بخوبیہ بھی حملہ آوروں کے ساتھ مل گئے تو ان منافقین کو رسول اللہ ﷺ کے لشکر سے نکل بھاگنے کے لیے ایک اچھا بہانہ ہاتھ آگیا اور انہوں نے یہ کہہ کر رخصت طلب کرنی شروع کی کہ اب تو ہمارے گھر ہی خطرے میں پڑ گئے ہیں، لہذا ہمیں جا کر اپنے بال بچوں کی حفاظت کرنے کا موقع دیا جائے۔

[۲۹] [۲۹] یعنی اس خطرے سے بچاؤ کا انتظام تو نبی ﷺ کرچکے تھے۔ یہ انتظام بھی دفاع کی اس مجموعی اسکیم ہی کا ایک حصہ تھا جس پر سالارشکر کی حیثیت سے حضور علی فرمادے تھے۔ اس لیے کوئی فوری خطرہ اس وقت درپیش نہ تھا جس کی بنا پر ان کا یہ عذر کسی درجے میں بھی معقول ہوتا۔

[۳۰] [۳۰] یعنی اگر شہر میں داخل ہو کر فتح کفار ان منافقین کو دعوت دیتے کہ آؤ ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ختم کر دو۔

[۳۱] [۳۱] یعنی جنگ اُحد کے موقع پر جو کمزوری انہوں نے دکھائی تھی اس کے بعد شرمندگی و نداشت کا اظہار کر کے ان لوگوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اب اگر آزمائش کا کوئی موقع پیش آیا تو ہم اپنے اس قصور کی تلافی کر دیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو محض باقتوں سے دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔ جو شخص بھی اس سے کوئی عہد باندھتا ہے اس کے سامنے کوئی نہ کوئی آزمائش کا موقع وہ ضرور لے آتا ہے تاکہ اس کا جھوٹ پچھل جائے۔ اس لیے وہ جنگ اُحد کے دو ہی سال بعد اس سے بھی زیادہ بڑا خطرہ سامنے لے آیا اور اس نے جا چکر کر دیکھ لیا کہ ان لوگوں نے کیسا کچھ چاہے اس سے کیا تھا۔

[۳۲] [۳۲] یعنی اس فرار سے کچھ تمہاری عمر بڑھنیں جائے گی۔ اس کا نتیجہ بہر حال نہیں ہو گا کہ تم قیامت تک حیو اور روئے زمین کی دولت پاؤ۔ بھاگ کر جیو گے بھی تو زیادہ سے زیادہ چند سال ہی جیو گے اور اتنا ہی کچھ دنیا کی زندگی کا لطف اٹھا سکو گے جتنا تمہارے لیے مقدر ہے۔

أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَعْدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ  
اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۖ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعْوَقُينَ مِنْكُمْ وَالْقَابِلِينَ  
لِدُخْوَانِهِمْ هَلْمَ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ إِلَيْنَا إِلَّا قَلِيلًا ۗ لَا شِحَّةَ  
عَلَيْكُمْ ۝ فَإِذَا جَاءَهُمُ الْخُوفُ رَأَيْتَهُمْ يُنْظَرُونَ إِلَيْكَ تَدْوُرُ أَعْيُنُهُمْ  
كَمَا لَدُنِّي يُغْشِي عَلَيْهِ مِنَ الْهُوَتِ ۝ فَإِذَا ذَهَبَ الْخُوفُ سَلَقُوكُمْ  
بِالسِّنَّةِ حِدَادِ أَشِحَّةٍ عَلَى الْخَيْرِ أُولَئِكَ لَهُمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ

اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے؟ اور کون اس کی رحمت کرو سکتا ہے اگر وہ تم پر مہربانی کرنا چاہے؟ اللہ کے مقابلے میں تو یہ لوگ کوئی حامی و مددگار نہیں پاسکتے ہیں۔

اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جنگ کے کام میں) رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں، جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ”آؤ ہماری طرف۔“ [۲۹] جو لڑائی میں حصہ لیتے بھی ہیں تو بس نام گنانے کو، جو تمہارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں۔ [۳۰] اخظرے کا وقت آجائے تو اس طرح دیدے پھر اپھر اکر تمہاری طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی مر نے والے پر غشی طاری ہو رہی ہو، مگر جب خطرہ گز رجاتا ہے تو یہی لوگ فائدوں کے حریص بن کر قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبانیں لیے تمہارے استقبال کو آ جاتے ہیں۔ [۳۱] یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائے، اسی لیے اللہ نے

[۲۹] یعنی چھوڑ واس پیغمبر کا ساتھ۔ کہاں دین و ایمان اور حق و صداقت کے چکر میں پڑے ہو؟ اپنے آپ کو خطرات اور مصائب میں بنتا کرنے کے بجائے وہی عافیت کوئی کی پالیسی اختیار کرو جو ہم نے اختیار کر رکھی ہے۔

[۳۰] یعنی اپنی محنتیں، اپنے اوقات، اپنی فکر، اپنے مال، غرض کوئی چیز بھی وہ اس راہ میں صرف کرنے کے لیے بخوشی تیار نہیں ہیں، جس میں مومنین صادقین اپنا سب کچھ جھوٹ دے رہے ہیں۔ جان کھپانا اور خطرے انگیز کرنا تو بڑی چیز ہے، وہ کسی کام میں بھی کھلے دل سے اہل ایمان کا ساتھ نہیں دینا چاہتے۔

[۳۱] اغت کے اعتبار سے اس آیت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ لڑائی سے جب تم کامیاب پلٹتے ہو تو وہ بڑے تپاک سے تمہارا استقبال کرتے ہیں اور چوب زبانی سے کام لے کر یہ دھونس بھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم بھی بڑے مومن ہیں اور ہم نے بھی اس کام کو فردوغ دینے میں حصہ لیا ہے، لہذا ہم بھی مال غنیمت کے حق دار ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر فتح غصیب ہوتی ہے تو مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر یہ لوگ زبان کی بڑی تیزی دکھاتے ہیں اور بڑھ بڑھ کر مطالبے کرتے ہیں کہ لا اؤ ہمارا حصہ، ہم نے بھی خدمات انجام دی ہیں، سب کچھ تم ہی لوگ نہ لوث لے جاؤ۔

اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۚ ۖ يَحْسِبُونَ الْأَخْرَاجَ  
لَهُمْ يَدُهُبُوا ۗ وَإِنْ يَأْتِ الْأَخْرَاجُ يَوْدُوا لَوْأَنَّهُمْ بَادُونَ رِفِيْ  
الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَثْبَابِكُمْ وَلَوْكَانُوا فِيْكُمْ مَا قَاتَلُوا  
إِلَّا قَلِيلًا ۖ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۗ ۖ

[۳۱] ان کے سارے اعمال ضائع کر دیے۔ اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ یہ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ آور گروہ ابھی گئے نہیں ہیں۔ اور اگر وہ پھر حملہ آور ہو جائیں تو ان کا جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر کہیں صحرائیں بدبوؤں کے درمیان جا بیٹھیں اور وہیں سے تمہارے حالات پوچھتے رہیں۔ تاہم اگر یہ تمہارے درمیان رہے بھی تو لڑائی میں کم ہی حصہ لیں گے۔

درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ تھا،

[۳۲] یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے بظاہر جو نیک کام بھی کیے ان سب کو اللہ تعالیٰ کا عدم قرار دے دے گا اور ان کا کوئی اجر نہیں نہ دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے باں فیصلہ اعمال کی ظاہری شکل پر نہیں ہوتا بلکہ یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ اس ظاہر کی قسم میں ایمان اور خلوص ہے یا نہیں۔ جب یہ چیز سرے سے ان کے اندر موجود ہی نہیں ہے تو یہ دکھاوے کے اعمال سراسر بے معنی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فیصلے کا اصل مدار {اس بات پر ہے} کہ آدمی کی وقار ایاں کس طرف ہیں۔ جہاں خدا اور اس کے دین سے وفاواری نہیں ہے وہاں اقرار ایمان اور عبادات اور دوسری نیکیوں کی کوئی قیمت نہیں۔

[۳۳] یعنی ان کے اعمال کوئی وزن اور قیمت نہیں رکھتے کہ ان کو ضائع کر دینا اللہ کو گراں گزرے۔ اور یہ لوگ کوئی زور بھی نہیں رکھتے کہ ان کے اعمال کو ضائع کرنا اس کے لیے ڈشوار ہو۔

[۳۴] {دوسراترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بہترین نمونہ ہے}۔ رسول پاک کے طرز عمل کو اس جگہ نمونہ کے طور پر پیش کرنے سے مقصود ان لوگوں کو سبق دینا تھا جنہوں نے جنگ احزاب کے موقع پر مفاد پرستی و عافیت کوشی سے کام لیا تھا۔ ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم ایمان و اسلام اور اتباع رسول کے مددگار ہی تھے۔ تم کو دیکھنا چاہیے تھا کہ جس رسول کے پیروں میں تم شامل ہوئے ہو اس کا اس موقع پر کیا رو یہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا حال تو یہ تھا کہ ہر مشقت جس کا آپ نے دوسروں سے مطالبہ کیا، اسے برداشت کرنے میں آپ خود سب کے ساتھ شریک تھے، بلکہ دوسروں سے بڑھ کر ہی آپ نے حصہ لیا۔

یہ تو موقع محل کے لحاظ سے اس آیت کا مفہوم ہے۔ مگر اس کے الفاظ عام ہیں اور اس کے منشائوں کو صرف اسی معنی تک محدود رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ صرف اسی لحاظ سے اس کے رسول کی زندگی مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے، بلکہ مطلقاً اسے نمونہ قرار دیا ہے۔ لہذا اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ہر معاملہ میں آپ کی زندگی کو اپنے لیے نمونے کی زندگی سمجھیں اور اس کے مطابق اپنی سیرت و کردار کو ڈھالیں۔

۲۱) لَهُنَّ سَكَانٌ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكْرُ اللَّهِ كَثِيرًا ۖ وَلَهُنَا  
رَا الْهُوَ مِنْوَنَ الْأَحْزَابَ لَا قَالُوا هَذَا أَمَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ  
وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادُهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۖ ۲۲)

هر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔ اورچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا کہ) [۳۵] جب انہوں نے حملہ آور شکروں کو دیکھا تو پکارا تھے کہ ”یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ اور اس کے رسول کی بات بالکل صحی تھی۔“ [۳۶] اس واقعہ نے ان کے ایمان اور ان کی پردگی کو اور زیادہ بڑھادیا۔ [۳۷]

[۳۵] یعنی اللہ سے غافل آدمی کے لیے تو یہ زندگی نمونہ نہیں ہے مگر اس شخص کے لیے ضرور نمونہ ہے جو خدا کو کثرت سے یاد کرنے اور یاد رکھنے والا ہو۔ اسی طرح یہ زندگی اس شخص کے لیے تو نمونہ نہیں ہے جو اللہ سے کوئی امید اور آخرت کے آنے کی کوئی توقع نہ رکھتا ہو، مگر اس شخص کے لیے ضرور نمونہ ہے جو اللہ کے فضل اور اس کی عنایات کا امیدوار ہو اور جسے یہ بھی خیال ہو کہ کوئی آخرت آنے والی ہے۔

[۳۶] رسول اللہ ﷺ کے نمونے کی طرف توجہ دلانے کے بعد ادب اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کے طرز عمل کو نمونے کے طور پر پیش فرماتا ہے تاکہ ایمان کے جھوٹے مدعیوں اور سچے دل سے رسول کی بیرونی اختیار کرنے والوں کا گردواراً یک دوسرے کے مقابلہ میں پوری طرح نمایاں کر دیا جائے۔

[۳۷] آیت ۱۲ میں بتایا گیا تھا کہ جو لوگ منافق اور دل کے روگی تھے انہوں نے دس بارہ ہزار کے شکر کو سامنے سے اور بنی قریظہ کو پیچھے سے حملہ آور ہوتے دیکھا تو پکار کر کہنے لگے کہ ”سارے وعدے جو اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے کیے تھے محض جھوٹ اور فریب نہیں۔“ اب بتایا جا رہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے وعدوں کا ایک مطلب تو وہ تھا جو ان جھوٹے مدعیان ایمان نے سمجھا تھا۔ دوسرے مفہوم وہ ہے جو ان صادق الایمان مسلمانوں نے سمجھا۔ خطرات امندہتے دیکھ کر اللہ کے وعدے تو ان کو بھی یاد آئے، مگر یہ وعدے نہیں کہ ایمان لاتے ہی انگلی ہلانے بغیر تم دنیا کے فرمان روایو جاؤ گے اور فرشتے آ کرتے ہماری تاج پوشی کی رسم ادا کریں گے، بلکہ یہ وعدے کہ سخت آزمائشوں سے تم کو گزرنا ہو گا، مصائب کے پہاڑ تم پر ٹوٹ پڑیں گے، گر اس تین قربانیاں تمہیں دینی ہوں گی، ہب کہیں جا کر اللہ کی عنایات تم پر ہوں گی اور تمہیں دنیا اور آخرت کی وہ سرفرازیاں بخشی جائیں گی، جن کا وعدہ اللہ نے اپنے مومن بندوں سے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو {البقرہ، آیت ۲۱۳۔ العنكبوت، آیت ۲، ۳}۔

[۳۸] یعنی اس سیاہ بلا کوڈ کیجہ کران کے ایمان متزلزل ہونے کے بجائے اور زیادہ بڑھ گئے، اور اللہ کی فرمان برداری سے بھاگ نکلنے کے بجائے وہ اور زیادہ یقین و اطمینان کے ساتھ اپنے کچھ اس کے حوالے کر دینے پر آمادہ ہو گئے۔

اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ایمان و تسلیم دراصل نفس کی ایک ایسی کیفیت ہے جو دین کے ہر حکم اور ہر مطالبے پر امتحان میں پڑ جاتی ہے۔ دنیا کی زندگی میں ہر ہر قدم پر آدمی کے سامنے وہ موقع آتے ہیں جہاں دین یا تو کسی چیز کا حکم دیتا ہے، یا کسی چیز سے منع کرتا ہے، یا جان اور مال اور وقت اور محنت اور خواہشات نفس کی قربانیوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ ایسے ہر موقع پر جو شخص اطاعت سے انحراف کرے گا اس کے ایمان و تسلیم میں کمی واقع ہو گی، اور جو شخص بھی حکم کے آگے سر جھکا دے گا اس کے ایمان و تسلیم میں اضافہ ہو گا۔

مِنَ الْهُؤُمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهُ عَلَيْهِ فَلِئِنْ هُمْ  
مَنْ قَضَى نَحْبَةً وَمِنْهُمْ مَنْ يَذْتَهَرُ وَمَا يَدَدُ لُوا تَبْدِيلًا ۝  
لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّدِيقِينَ بِصَدُقَّهُمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنْفَقِينَ إِنْ شَاءَ  
أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۝ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَسَادَ اللَّهُ  
الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَهُمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْهُؤُمِنِينَ  
الْقِتَالُ طَوْكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۝ وَأَنْزَلَ اللَّذِينَ ظَاهِرُوهُمْ

ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کرچکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ [۳۹] انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ (یہ سب کچھ اس لیے ہوا) تاکہ اللہ پھوٹوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو چاہے تو سزادے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کر لے، بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

اللہ نے کفار کا منہ پھیر دیا، وہ کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر اپنے دل کی جلن لیتے یوں ہی پلت گئے، اور مومنین کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لیے کافی ہو گیا، اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔ پھر اہل کتاب میں سے جن

اگر چہ ابتداءً آدمی صرف گلمہ اسلام کو قبول کر لینے سے مومن و مسلم ہو جاتا ہے، لیکن یہ کوئی ساکن و جامد حالت نہیں ہے جو بس ایک ہی مقام پر ٹھیسی رہتی ہو، بلکہ اس میں تنزل اور ارتقاء دونوں کے امکانات ہیں۔ خلوص اور اطاعت میں کمی اس کے تنزل کی موجب ہوتی ہے، یہاں تک کہ ایک شخص پیچھے ہٹتے ہٹتے ایمان کی اس آخری سرحد پر پہنچ جاتا ہے جہاں سے یک سرموجی تجاوز کر جائے تو مومن کے بجائے منافق ہو جائے۔ اس کے بعد خلوص جتنا زیادہ ہو، اطاعت جتنا مکمل ہو اور دین حق کی سر بلندی کے لیے لگن اور دھن حقی بڑھتی چلی جائے، ایمان اُسی نسبت سے بڑھتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی صدقہ یقیت کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن یہ کمی و نیشی جو کچھ بھی ہے اخلاقی مراتب میں ہے جس کا حساب اللہ کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا۔ بندوں کے لیے ایمان بس ایک ہی اقرار و تصدیق ہے جس سے ہر مسلمان داخل اسلام ہوتا ہے اور جب تک اس پر قائم رہے، مسلمان مانا جاتا ہے۔ اس کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ آدھا مسلمان ہے اور یہ پاؤ، یا یہ دو گناہ مسلمان ہے اور یہ تین گنا۔ اسی طرح قانونی حقوق میں سب مسلمان یکساں ہیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کو ہم زیادہ مومن کہیں اور اس کے حقوق زیادہ ہوں، اور کسی کو کم مومن قرار دیں اور اس کے حقوق کم ہوں۔ ان اعتبارات سے ایمان کی کمی و نیشی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اور دراصل اسی معنی میں امام ابوحنیف نے یہ فرمایا کہ الایمان لا یزید ولا ینقص، ”ایمان کم و بیش نہیں ہوتا۔“

[۳۹] یعنی کوئی اللہ کی راہ میں جان دے چکا ہے اور کوئی اس کے لیے تیار ہے کہ وقت آئے تو اس کے دین کی خاطر اپنے خون کا نذر آنے پیش کر دے۔

۱۹ ﴿۱۹﴾ مِنْ أَهْلِ الْكِتَبِ مِنْ صَيَا صِيهِمْ وَقَدَّافٌ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ  
فَرِيقًا تَقْتَلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا وَأُورْثُكُمْ أَرْضَهُمْ  
وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضَالَهُمْ تَطْئُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ  
شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿۲۰﴾ يَا يَاهَا النَّبِيُّ قُلْ لَا زَوْا جِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تَرِدُنَ  
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَرِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَّتِعْكُنَ وَأُسَرِّ حُكْمَنَ  
سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿۲۱﴾ وَإِنْ كُنْتُنَّ تَرِدُنَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالدَّارَ  
الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعْدَ لِلْمُحْسِنِ مِنْكُنَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۲﴾

[۲۰] لوگوں نے ان حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا، [۲۰] اللہ ان کی گڑھیوں سے انھیں اتار لایا اور ان کے دلوں میں اس نے ایسا رب ڈال دیا کہ آج ان میں سے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے ہو۔ اس نے تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنادیا اور وہ علاقہ تمھیں دیا جسے تم نے کبھی پامال نہ کیا تھا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے یہ  
اے نبی! [۲۱] اپنی بیویوں سے کہو، اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمھیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخوت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکو کار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا جرم بھیا کر رکھا ہے۔

[۲۰] یعنی یہودی فریض۔

[۲۱] یہاں سے نمبر ۳۵ تک کی آیات جنگ احزاب اور بتقیہ سے متصل زمانے میں نازل ہوئی تھیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ اس زمانے کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابو بکر اور حضرت عمر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیکھا کہ آپ کی ازواج آپ کے گرد بیٹھی ہیں اور آپ خاموش ہیں۔ آپ نے حضرت عمر کو خطاب کر کے فرمایا: هُنَّ كَمَا تَرَى يَسْتَأْتِنُونِي الْفَقْهَ، یہ میرے گرد بیٹھی ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ یہ مجھ سے خرچ کے لیے روپیہ مانگ رہی ہیں۔ ”اس پر دونوں صاحبوں نے اپنی اپنی بیٹھیوں کو دانتا اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تباہ کرتی ہو اور وہ چیز مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اس وقت کیسی بالی مشکلات میں بنتا تھے اور کفر و اسلام کی انتہائی شدید کشمکش کے زمانے میں خرچ کے لیے {پریشان حال} ازواج مطہرات کے تقاضے مزاج مبارک پر کیا اثرِ اہل رہے تھے۔

[۲۲] اس آیت کے نزول کے وقت حضور کے نکاح میں چار بیویاں تھیں، حضرت سودہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصة اور حضرت ام سلمہ۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ سے گفتگو کی اور فرمایا ”میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، جواب دینے میں جلدی نہ کرنا، اپنے والدین کی رائے لے لو، پھر فیصلہ کرو۔“ پھر حضور نے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا ہے، اور